



# پیچھے اس امام کے

## مفتی منیب الرحمن

یادش بخیر! بزمِ غمِ خویش و بہ خواہشِ حلقہٴ احباب جناب عمران خان ہمارے وطنِ عزیز کے سب سے مقبول عوامی رہنما ہیں، وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔ کسی کی مقبولیت کا گراف کتنا بلند ہے یا کتنا پست، جمہوری دنیا میں اس کا معیار قومی انتخابات ہوتے ہیں، لیکن ہم انہیں بھی معیار تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں، اس لیے ہر ایک کے لیے من پسند دعووں کا میدان ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔

حال ہی میں جناب عمران خان نے کہا ہے: ”پانا ملیکس پر اپوزیشن زرداری کی سربراہی میں ایک ہو سکتی ہے، (روزنامہ ایکسپریس، 31 دسمبر 2016)“، ہماری دعا ہے جناب عمران خان کی یہ خواہش جلد پوری ہوتا کہ ہم بھی ”نیت کی میں نے پیچھے اس امام کے“ کا منظر جلد دیکھیں۔ اس سے ہمارے سیاسی شعار کا پتا چلتا ہے کہ ہم اپنے سیاسی کلچر میں کسی بھی طرح کی اخلاقی اقدار کے روادار نہیں ہیں، بس ہوائے نفس کے اسیر ہیں۔ جناب عمران خان آصف علی زرداری صاحب کو بڑا ڈاکو کہتے رہے، مسلم لیگ ن اور پی پی کو ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے کہتے رہے، اُن پر مسلم لیگ ن کے ساتھ مک مکا کی پھبتی بھی کہتے رہے، لیکن نواز شریف کی عداوت میں وہ بقول خود بڑے ڈاکو کو بھی کرپشن کے خلاف جنگ میں امام ماننے کے لیے تیار ہیں۔ جب انسان پر جذبہٴ انتقام غالب آجائے، تو معیارات بدل جاتے ہیں، ایک کی کرپشن ناقابلِ قبول اور دوسرے کی قابلِ قبول قرار پاتی ہے، الغرض گڈ طالبان اور بیڈ طالبان کی طرح گڈ کرپشن اور بیڈ کرپشن کی بھی گنجائش نکل آتی ہے۔ بہر حال جناب آصف علی زرداری کو جناب عمران خان کی امامت پر فائز ہونے کا منصب مبارک ہو، مہم جوئی انسان کو بعض اوقات بلندی سے پستی میں گرا دیتی ہے۔

جناب عمران خان سمیت تمام سیاسی قائدین سے ہماری گزارش یہ ہے کہ ازراہ کرم اپنی سیاست میں مذہب کو تختہٴ مشق نہ بنائیں اور ذات رسالت مآب ﷺ اور دینی مقدمات کے حوالے سے کسی تحقیق کے بغیر کوئی بات نہ کہیں۔ حال ہی میں جناب رسالت مآب ﷺ کی شان میں اُن کی زبان سے انتہائی نازیبا کلمات ادا ہوئے اور علامہ پیر محمد افضل قادری نے بجا طور پر اور بروقت اُن کی گرفت کی اور جناب عمران خان کو توبہ کرنے، اپنی گفتار پر نادم ہونے اور معافی مانگنے کا موقع دیا، انہوں نے نے بھی بروقت اس تنبیہ پر کان دھرا اور اپنی پریس کانفرنس میں معافی مانگی، ورنہ اس سے ایک اور مصیبت کھڑی ہو جاتی۔ اُن کا فوری طور پر معافی مانگنا قابلِ تحسین ہے، لیکن انہیں اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول مکرم ﷺ کے حضور صدق دل سے توبہ بھی کرنی چاہیے۔

آج کل ایک اور نفسیاتی بیماری یہ ہے کہ انسان اپنی غلطی کو تسلیم کرنے کی بجائے اگر مگر کا سہارا لیتا ہے کہ میرا یہ ارادہ نہیں تھا، میری بات کو سیاق و سباق سے ہٹ کر بیان کیا گیا ہے، تاہم اگر کسی کی دل آزاری ہوئی ہے تو میں معذرت خواہ ہوں، خطا پر متنبہ ہونے کے بعد فرزند آدم کو سنت آدم علیہ السلام پر عمل کرتے ہوئے غیر مشروط توبہ کرنی چاہیے۔ معذرت کے حقیقی معنی ہیں: اپنی خطا پر عذر پیش کرنا، یعنی کسی درجے میں اس کا جواز تلاش کرنا، یہ شعار درست نہیں ہے، غیر مشروط معافی ہی بہتر شعار ہے۔ ہمیں حیرت ہے کہ پاکستان تحریک انصاف کے وائس چیرمین جناب شاہ محمود قریشی، جو حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی نور اللہ مرقدہ کی خانقاہ کے سجادہ نشین ہیں، کے ہوتے ہوئے اس طرح کی بے اعتدالی سرزد ہوتی ہے، اپنی سیاسی قیادت سے وفاداری اقدار کے تابع ہونی چاہیے، حبیب جالب نے کہا تھا:

ظلمت کو ضیاء، صرصر کو صبا، بندے کو خدا، کیا لکھنا پتھر کو گہر، دیوار کو در، کرگس کو ہما، کیا لکھنا

لیکن بد قسمتی سے آج کل جسے تھوڑی سی عزت یا شہرت مل جائے، تو وہ اپنے آپ کو عقل کل سمجھنے لگتا ہے اور خدائی منصب سے کم تر درجے پر قناعت نہیں کرتا، غلطیوں پہ غلطیاں کرتا چلا جاتا ہے، لیکن اپنی اصلاح پر آمادہ نہیں ہوتا۔ اس سے پہلے بھی ہمیں کسی نے جناب عمران خان کے ایک غیر محتاط بیان کی طرف متوجہ کیا تھا، جس میں انہوں نے اپنی سیاست کے ابتدائی اور موجودہ دور کا تقابل کرتے ہوئے اُسے ختم المرسلین سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی عمر اور مدنی دور سے تشبیہ دی تھی۔

یہی گزارش ہم اینک پر سنز سے وقتاً فوقتاً کرتے رہتے ہیں کہ اپنی فکر کی تعلی، تکلم و گفتار کی جولانی اور عقل کل ہونے کا جو پندار آپ لوگوں نے اپنے دل و دماغ میں پال رکھا ہے، ازراہ کرم اُس سے مذہب کو بچا کر رکھیں، آپ کا بڑا احسان ہوگا۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ ان اینک پر سنز نے بھی اپنے آپ کو مصلح اعظم سمجھ رکھا ہے اور ان کی سب سے زیادہ دلچسپی کا موضوع مذہب اور اہل مذہب کی اصلاح ہوتا ہے۔ یہی افلاطون اور بقراط قسم کے اینک پر سنز جب چند دن آف اسکرین ہو جائیں تو انہیں اپنی قدر کا پتا چل جاتا ہے، لیکن جب تک اسٹوڈیوز میں رونق افروز ہوں تو پھر ان کا سیلاب بلا خیز تھمنے کو نہیں آتا۔

ہماری خواہش تھی کہ جناب عمران خان اپنی اُمم جوئی کی روش کو ترک کر کے سنجیدہ سیاست کی طرف آئیں اور آئین و قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے جمہوری اقدار کے مطابق اقتدار کے ایوانوں تک پہنچیں اور اپنے وژن کے مطابق پاکستان کو اقوام عالم کے درمیان مقام افتخار دلانیں اور قوم کی خدمت کریں۔ لیکن بد قسمتی سے وہ نہایت عُجلت میں ہیں، کل کی بجائے آج اور آج کے بجائے ابھی ایوانِ اقتدار کے مُسندِ اعلیٰ پر فائز ہونا چاہتے ہیں۔ سیاسی اختلافات کو انہوں نے ذاتی اور شخصی عداوت میں تبدیل کر دیا ہے اور ذاتی تعلی کے زعم ہی کے سبب وہ دوسرے رہنماؤں کے ساتھ آمنے سامنے بیٹھ کر کوئی متفقہ قومی ایجنڈا تشکیل دینے کے لیے بھی تیار نہیں ہیں۔ ساڑھے تین سال گزرنے کے باوجود اب تک نہ احتساب کا جامع قانون بن سکا اور نہ انتخابی اصلاحات کا کوئی متفقہ قانونی ضابطہ مرتب ہوا، کل پھر دھاندلی کا وایلا مچے گا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ جیسا بھی جمہوری نظام ہے، اُس کا تسلسل جاری رہے اور نظام کے اندر رہتے ہوئے اُس کی اصلاح کی تدابیر اختیار کی جائیں۔

وزیر اعظم کا انداز حکومت بھی قابلِ اطمینان نہیں ہے، وہ جس پارلیمنٹ سے اقتدار و اختیار کشید کرتے ہیں، اُسے اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ چنانچہ حال ہی میں سپریم کورٹ آف پاکستان نے قرار دیا ہے کہ ملک کا چیف ایگزیکٹو صرف وزیر اعظم بطور شخص واحد



نہیں ہوتا، بلکہ یہ وفاقی کابینہ اور وزیر اعظم پر مشتمل ایک ادارہ ہے، لہذا سارے اہم فیصلے وفاقی کابینہ میں زیر بحث آنے کے بعد حتمی مرحلے تک پہنچنے چاہئیں۔ وزیر اعظم اگر وفاقی کابینہ اور پارلیمنٹ کے ساتھ مربوط رہ کر چلیں، تو انہیں تنہائی کا احساس نہ ہو۔ جناب سید یوسف رضا گیلانی کا انداز حکومت جیسا بھی تھا، لیکن وہ بہر حال پارلیمنٹ کو اہمیت دیتے تھے، اسی طرح جناب محمد خان جو نجو مرحوم نے بھی اپنا تین سالہ دور حکومت بڑے سہل انداز میں گزارا، ان کا پارلیمنٹ سے جڑے رہنا ویسے بھی ان کی مجبوری تھی کہ غیر جماعتی انتخابات کے نتیجے میں برسر اقتدار آئے تھے اور انہوں نے اپنی جماعت پارلیمنٹ کے اندر ہی تشکیل دی تھی۔

جناب عمران خان اور ان کے بعض جیالوں نے اپنی سیاست میں سابق امریکی صدر جارج بوش کے اس نظریے کو اپنا رکھا ہے کہ آپ ہمارے دوست بن جائیں، یعنی اندھے پیروکار، ورنہ پھر آپ ہمارے دشمن ہیں، بیچ کا راستہ کوئی بھی نہیں ہے۔ اگر آپ نیک نیتی کے ساتھ ایک موقف اختیار کر سکتے ہیں تو دوسرے فریق کا یہ حق بھی آپ کو تسلیم کرنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ نیک نیتی کے ساتھ آپ کے موقف سے اختلاف کر رہا ہو اور آپ کا خیر خواہ بھی ہو۔ کبھی صحیح اور غلط کا تقابل ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں صحیح کے بھی درجات ہوتے ہیں، جسے فارسی میں بہ، بہتر اور بہترین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لہذا اپنی پالیسیوں کے بارے میں دوسروں کی رائے کو توجہ سے سنیں، دلائل کی روشنی میں کسی کی رائے کو رد یا قبول کرنا آپ کا حق ہے۔ جس طرح آپ کے فریق مخالف سے فکری اور عملی خطا سرزد ہو سکتی ہے، اسی طرح ہم سب امکان خطا سے پاک نہیں ہیں۔ لہذا دوسرے کا موقف سننے کے لیے ہر فریق کو اپنی چشم بصیرت واکھنی چاہیے۔ قرآن کریم یہی شعار تعلیم فرماتا ہے: ”اور سبکی اور بدی برابر نہیں ہیں، سو آپ برائی کو اچھے طریقے سے دور کریں، پس وہ شخص کہ تمہارے اور اس کے درمیان دشمنی ہے، تمہارا گہرا دوست بن جائے گا، (الحکم السجدہ: 34)۔“

رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی تو معصوم عن الخطا تھی، آپ کا قلب انور مہبط وحی ربانی تھا، اس کے باوجود آپ دنیاوی معاملات میں صحابہ کرام کو اپنی ترجیح پر عمل کرنے کی آزادی دیتے تھے، بشرطیکہ وہ عمل شریعت کے خلاف نہ ہو۔

حضرت مغیث حضرت بریرہ کے شوہر تھے، وہ اپنی بیوی سے بے حد محبت کرتے تھے، حضرت بریرہ کو خیار عتیق کی بنا پر شوہر سے علیحدگی کا اختیار ملا تو انہوں نے علیحدگی کو ترجیح دی۔ حضرت مغیث اُن کے فراق میں روئے جا رہے تھے اور اُن کی داڑھی آنسوؤں سے تر تھی۔ نبی ﷺ نے اس پر حیرت کا اظہار فرمایا اور بریرہ سے فرمایا: اگر شوہر کی طرف رجوع کر لو (تو اچھی بات ہے)، انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! اگر یہ آپ کا حکم ہے؟ (توسر تسلیم خم ہے)، نبی ﷺ نے فرمایا: میں سفارش کرتا ہوں، بریرہ نے عرض کی: مجھے ان کی طرف رجوع کی کوئی حاجت نہیں ہے، (صحیح البخاری: 5283)۔ ذرا سوچیے! جن کی سفارش رب العالمین بھی رد نہیں فرماتا، اُن کی سفارش کو حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے قبول نہ کیا تو آپ نے ناراضی کا اظہار نہیں فرمایا، پس اس میں مشورہ دینے والے کے لیے سبق ہے کہ اگر اس کے مشورے پر عمل نہ ہو تو اسے اپنی اُنا کا مسئلہ نہ بنائے اور خیر کی بات کرتا رہے، قرآن کا حکم یہی ہے: ”اور جو اچھی سفارش کرے گا اس کے لیے (بھی) اس میں سے حصہ ہے، (النساء: 85)۔“